Fikr-o-Nasar (Islamabad) vol. 1:11 (1964)

تعدّد ازدواج اور اسلام

ایک مطالعہ

عمر احمد عثمانی

فارسی کی ایک مشہور ضرب المثل ہے "کوہ کندن وکاہ برآوردن" یعنی کھودا پہاڑ اور نکلا ایک تنکا۔ بعینہٖ یہی حال بہت سی ان باتوں کا ہے جو نسلہا نسل سے مشہور چلی آرہی ہیں۔ لیکن جب ان کی تحقیق کی جاتی ہے تو ان کی کوئی بنیاد بھی تو نہیں ملتی۔ یورپ کے مستشرقین نے اس بات کو سامنے رکھ کر کہ اسلام تعدد ازدواج کا حامی ہے، اسلام کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کرنے کے لئے اب تک ہزارہا صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں۔ دوسری طرف اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے والوں نے بھی اپنی سادہ لوحی سے اس غلط تہمت کو قبول کرکے ان کے جوابات کے سلسلہ میں کچھ کم صفحات سیاہ نہیں کئے۔ ان مدافعت فرمانے والوں کا انداز بالکل ایسا ہی ہے جیسے اپنے دامن پر کچھ ناخوشگوار دھبے دیکھ کر دل ہی دل میں شرما رہے ہوں۔ نہ مستشرقین ہی کو اس کی توفیق ہوئی کہ قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر (کیونکہ اسلام میں تشریع کے یہی دو بڑے ماخذ ہیں) اس مسئلہ کی ذرا تحقیق تو کر لیتے کہ کیا واقعی اسلام تعدّد ازدواج کا حامی ہے یا یہ اس کے ذمہ اس کے دشمنوں کا ایک بہتان ہے اور نہ ہی اسلام کی طرف سے مدافعت کرنے والوں نے اس طرف کوئی توجہ فرمانی ضروری سمجھی۔

اس میں شبہ نہیں کہ اسلام نے بعض مخصوص حالات میں تعدّد ازدواج کی اجازت دی ہے

لیکن کسی بڑی برائی سے بچنے کے لئے یا کسی بلند ترین مقصد کو حاصل کرنے کے لئے مخصوص حالات میں کسی بات کی اجازت دے دینے کے معنی لازماً اس کی حمایت ہی کے نہیں ہوتے۔ اسلام نے جن حالات میں تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے اس کی حیثیت قطعاً ایسی ہی ہے۔ جیسا کہ ہم کسی بڑی برائی سے بچنے کے لئے بعض اوقات کسی چھوٹی برائی کو اختیار کر لیتے اور اس کی اجازت دے دیتے ہیں لیکن اس اجازت سے قطعاً یہ نہیں سمجھا جاتا کہ ہم اس برائی کی حمایت کر رہے ہیں۔ برائی بہرحال برائی ہی رہتی ہے اور ہر صورت میں ناقابل حمایت۔

کہا جاتا ہے کہ تعدد ازدواج انبیاء علیہم السلام اور اسلاف کی سنت رہی ہے۔ جہاں تک انبیاء علیہم السلام کا تعلق ہے تو ضروری نہیں کہ انہوں نے جو کام کئے ہوں وہ سب کے سب ہمارے لئے بھی سنت کا درجہ رکھتے ہوں۔ درحقیقت سنت وہی امور ہوتے ہیں جو انہوں نے امت کے لئے تعلیماً انجام دئے ہوں اور امت کو بھی ان امور کی ترغیب دی ہو۔ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے عام لوگوں کو کبھی بھی تعدد ازدواج کی تعلیم یا ترغیب نہیں دی۔ پھر اگر تعدد ازدواج انبیاء علیہم السلام کی سنت ہی ہے تو اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت داؤد و سلیمان علیہما السلام کے سو سو بیویاں تھیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نو یا گیارہ بیویاں تھیں، تو کیا ہم سو بیویاں رکھنے یا نو اور گیارہ بیویاں رکھنے کو سنت انبیاء قرار دینے کے لئے تیار ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ لہٰذا انبیاء علیہم السلام کی سنت کی باتیں کرنا فضول ہے اور اس درمیان میں ان حضرات کے ناموں کو درمیان میں لانا بہت بڑی جسارت ہے۔

رہ گئے ہمارے اسلاف واکابر تو ان تمام حضرات کا پورا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں ان حالات کا بھی جائزہ لینا چاہئے جن میں انہوں نے تعدد ازدواج پر عمل فرمایا تھا۔ اگر انہوں نے واقعتہً کسی بڑی برائی سے بچنے کے لئے یا کسی بلند تر مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس کو اختیار فرمایا تھا تو ضروری نہیں کہ ہم بھی ان کی پیروی کریں اِلّا یہ کہ ہم بھی انہی جیسے حالات سے دوچار نہ ہو گئے ہوں۔

پھر سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ کیا خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہ و تابعین نے یا ہمارے اسلاف و اکابر نے کبھی بھی تعدد ازدواج کو سنت نبوی قرار دیا ہے اور اس کی لوگوں کو ترغیب دی ہے یا اس پر کسی ثواب کا وعدہ کیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو آج ہمیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ہم ان حضرات کے اُلی العزم اسے سنت قرار دے دیں۔

آیئے ذرا آج کی فرصت میں اس مسئلہ کا جائزہ لینے کی کوشش کریں کہ کیا اسلام نے واقعی

تعدد ازدواج کی حمایت کی ہے یا یہ اسلام کے خلاف محض اس کے دشمنوں کی ایک تہمت ہے جو انہوں نے اسلام کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی ہے۔

واضح رہے کہ کسی مسئلہ پر غور کرنے اور اسے سمجھنے کے لئے یہی ضروری نہیں ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق قرآن وسنت سے کوئی دو ٹوک صریح حکم ہی تلاش کیا جائے۔ اکثر مسائل میں اس انداز کے دو ٹوک صریح احکام بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ ہر مسئلہ میں اس پر اصرار کیا جائے۔ بعض مسائل میں ہمیں قرآن وسنت سے اس انداز کا کوئی صریح حکم تو نہیں ملتا۔ لیکن اس قسم کے مسائل سے متعلق مختلف ہدایات کو سامنے رکھ کر ہم اتنا سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن وسنت کا اپنا رجحان کیا ہے۔ وہ کونسی صورت کو پسند کرتا ہے اور کس صورت کی حمایت کرنا چاہتا ہے۔ اہل علم اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسائل کے استخراج واستنباط میں صراحۃ النص کے ساتھ ساتھ دلالۃ النص اور اشارۃ النص کی اپنی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہوا کرتی۔ اور ہماری فقہ کے بیشتر مسائل دلالۃ النص اور اشارۃ النص ہی پر مبنی ہیں۔

اسلام کا اپنا ایک مزاج ہے۔ اس مزاج کو سمجھنے کے لئے ہمیں قرآن وسنت کی مختلف ہدایات و احکام کو سامنے رکھ کر غور کرنا چاہئے۔ ان تمام ہدایات کا مطالعہ کرنے سے دیانت دار بالغ نظر محققین کے ذہن میں جو مجموعی تاثر پیدا ہوتا ہے اسی کو ہم اسلام کا مزاج بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ مختلف ہدایات یا اشارات مناظرہ بازی کے میدان میں الگ الگ طور پر اگرچہ مسکت دلیل کا کام تو نہیں دے سکتے لیکن ان سے جو ایک مجموعی تاثر حاصل ہوتا ہے وہ ایک دیانت دار متلاشی حقیقت کو مطمئن ضرور کر دیتا ہے۔

قرآن حکیم اور سنت نبوی میں ہمیں نہ صراحت کے ساتھ کہیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ مسلمانوں کو ضرور کئی کئی شادیاں کرنی چاہئیں اور نہ ہی صراحت کے ساتھ ہمیں کہیں اس کی ممانعت ملتی ہے کہ مسلمانوں کو ایک سے زیادہ شادیاں ہرگز نہ کرنی چاہئیں۔ لیکن شادی کے سلسلہ میں جو مختلف اشارات یا ہدایات ملتی ہیں۔ ان کا بغور مطالعہ کرنے سے جو مجموعی تاثر حاصل ہوتا ہے اس سے ہم اتنا اندازہ ضرور کر سکتے ہیں کہ اس ضمن میں اسلام کا اپنا مزاج اور رجحان کیا ہے اور وہ وحدت ازدواج کی حمایت کرنا چاہتا ہے یا تعدّد ازدواج کی۔

اس سلسلہ میں ہمیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ اسلامی تشریع کا وہی سب سے بڑا اہم اور بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن کریم نے ازدواجی تعلقات کے لئے تَزَوَّجَ۔ ازواجٌ۔ تزوجتِ وغیرہ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے ہمیں اس بنیادی لفظ کو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے۔ عربی زبان میں جب یہ الفاظ بولے جاتے ہیں تو ان سے عرب کے لوگ کیا سمجھتے ہیں۔

اس لفظ کی تحقیق کے لئے ہمیں ظاہر ہے کہ عربی کی مستند لغات ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

چنانچہ سب سے پہلے امام محب الدین ابوالفیض سید مرتضیٰ حسینی کی تصریحات ملاحظہ فرمائیے امام موصوف عربی کی بہترین لغت قاموس کے بہترین شارح مانے جاتے ہیں۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"زَوْجٌ کا لفظ فَرْدٌ کی ضد ہے۔ شَفْعٌ اَوْ وِتْرٌ (طاق وجفت) کی طرح زَوْجٌ اَوْ فَرْدٌ بھی بولا جاتا ہے۔ دو چیزوں کو زَوْجَانِ نہیں کہا جاتا بلکہ ھُمَا زَوْجٌ کہا جاتا ہے۔۔۔۔ محکم میں ہے کہ زَوْجٌ اس فرد کو کہتے ہیں جس کا کوئی ساتھی ہو۔ اس طرح زَوْجٌ دو چیزوں کو کہتے ہیں۔ عِنْدَہٗ زَوْجَا نِعَالٍ (اس کے پاس دو جوڑی جوتے ہیں) اور زَوْجَا حَمَامٍ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو نر اور دو مادہ کبوتر ہیں۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے پاس ایک نر اور ایک مادہ کبوتر ہے لیکن امام ابوبکر نے فرمایا ہے کہ عام لوگ غلطی کر جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ زَوْجٌ دو چیزوں کو کہتے ہیں۔ حالانکہ عربوں کا مطلقاً یہ انداز نہیں ہے، چنانچہ وہ زَوْجٌ کے لفظ کو ایسے موقعوں پر مفرد کر کے استعمال نہیں کرتے۔ مثلاً وہ زَوْجُ حَمَامٍ نہیں کہتے۔ بلکہ تثنیہ کر کے استعمال کرتے ہیں اور کہتے ہیں عِنْدِیْ زَوْجَانِ مِنَ الْحَمَامِ یعنی میرے پاس کبوتروں کا ایک جوڑا (نر اور مادہ) ہے۔ اور عِنْدِیْ زَوْجَانِ مِنَ الْخِفَافِ یعنی میرے پاس موزوں کی ایک جوڑی (دایاں موزہ اور بایاں موزہ) ہے۔۔۔۔ ابن شمیل نے کہا ہے کہ زَوْجٌ دو کو کہتے ہیں۔ ہر دو چیزیں زَوْجٌ ہوتی ہیں۔ اِشْتَرَیْتُ زَوْجَیْنِ مِنَ الخِفَافِ کے معنی ہوتے ہیں کہ میں نے دو جوڑی موزے خریدے یعنی چار موزے خریدے۔ لیکن ازہری نے کہا ہے کہ علمائے نحو نے ابن شمیل کے اس قول کا انکار کیا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ زَوْجٌ ایک چیز کو کہتے ہیں چنانچہ شوہر اور بیوی کو زَوْجَانِ کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ثَمَانِیَۃَ اَزْوَاجٍ یعنی آٹھ افراد۔ اور ازہری نے کہا ہے کہ یہی بات صحیح ہے۔۔۔۔۔۔ داعی اللغۃ میں ہے جو امام ابومحمد عبدالحق ازدی کی تصنیف ہے کہ ہر وہ چیز جو اپنے کسی ساتھی کے ساتھ ملی ہوئی ہو زَوْجٌ کہلاتی ہے۔ زَوَّجْتُ بَیْنَ الْاِبِلِ کے معنی ہوتے ہیں کہ میں نے اونٹوں کو دو دو کر کے ایک دوسرے کے ساتھ کر دیا۔ قرآن کریم میں ہے وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ یعنی ہر جماعت اپنے ہم مشربوں کے ساتھ ملا دی جائیگی۔"

تاج العروس من جواہر القاموس، ص۵۵ ج ۲، مطبوعہ مطبعۂ خیریہ جمالیۂ مصر ۱۳۰۶ھ

اس سلسلہ میں علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور (متوفی ۷۱۱ھ) تاج العروس کے الفاظ بعینہٖ نقل کرتے ہیں اور مزید فرماتے ہیں:

"ابن سیدہ نے کہا ہے کہ اس بات کی دلیل کہ عربوں کی گفتگو میں زَوْجَیْنِ سے مراد ہمیشہ دو چیزیں ہوا کرتی ہیں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَاَنَّہٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثیٰ (اور اس نے جوڑے پیدا کئے نر اور مادہ) اس آیت میں جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں نر اور مادہ دونوں کو زَوْجَیْنِ کہا گیا ہے۔ اسی طرح دوسرے موقعہ پر ہے فَاسْلُکْ فِیْھَا مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ (پھر کشتی میں ہر چیز کے دو جوڑ یعنی دو دو چیزیں (نر و مادہ) سوار کرلو) امام حسن بصری رح حق تعالیٰ کے ارشاد وَمِنْ کُلِّ شَیْئٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ کی تفسیر میں فرمایا کرتے تھے کہ آسمان زوج ہے اور زمین زوج ہے۔ سردی زوج ہے اور گرمی زوج ہے۔ رات زوج ہے اور دن زوج ہے۔ زَوْجٌ کی جمع اَزْوَاجٌ اور اَزَاوِیْجُ آتی ہے ...... حق تعالیٰ کے ارشاد ثَمَانِیَۃَ اَزْوَاجٍ (آٹھ جوڑے) میں آٹھ افراد مراد ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ تم ایک تنہا پرندہ کو زَوْجٌ نہیں کہتے جیسا کہ دو پرندوں کو زَوْجَانِ کہتے ہو۔ بلکہ اگر تنہا پرندہ نر ہو تو اسے فَرْدٌ کہتے ہو اور اگر وہ مادہ ہو تو اسے فَرْدَۃٌ کہتے ہو ...... اور مرد اور عورت کو زَوْجَانِ کہتے ہیں ..... حق تعالیٰ کا ارشاد ہے اِحْمِلْ فِیْھَا مِنْ کُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ (کشتی میں ہر چیز کے دو جوڑ (نر و مادہ) یعنی دو دو سوار کرلو) یہی بات صحیح ہے ...... ہر دو چیزیں جو ملی ہوئی ہوں۔ دونوں ہم شکل ہوں یا ایک دوسرے کی نقیض ہوں زَوْجَانِ کہلاتی ہیں ...... اسی طرح اس عورت کو زَوْجٌ کہتے ہیں اور اس مرد کو زَوْجٌ کہتے ہیں جو عقد نکاح کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مل گئے ہوں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَیُزَوِّجُھُمْ ذُکْرَانًا وَّاِنَاثًا (اور وہ انھیں جوڑ جوڑ دیتا ہے لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی) ہر دو چیزیں جو ایک دوسرے کے ساتھ مل چکی ہوں زَوْجَانِ کہلاتی ہیں"

(لسان العرب ص ۱۱۵-۱۱۷ : ج ۳)
مطبوعہ مطبعہ کبری میریہ بولاق مصر ۱۳۰۱ھ

تصریحات بالا سے آپ نے دیکھ لیا کہ

(۱) زَوْجٌ اس ایک چیز کو کہتے ہیں جس کے ساتھ اسی جیسی دوسری چیز ملی ہوئی ہو۔

(۲) زَوْجَانِ اور زَوْجَیْنِ ان دو چیزوں کو کہتے ہیں جو باہم ملی ہوئی ہوں۔ وہ باہم ہم شکل ہوں یا ایک دوسرے کی نقیض ہوں۔

(۳) جن حضرات نے زَوْجَانِ اور زَوْجَیْنِ سے مراد دو جوڑے یعنی چار چیزیں مراد لی ہیں علمائے نحو اور علمائے لغت نے ان کی تغلیط کی ہے بلکہ بقول امام ابوبکر عربوں کا یہ انداز گفتگو ہی نہیں ہے محض عجمی عوام اس قسم کی غلطیاں کر جاتے ہیں۔

ان تصریحات کے بعد غالباً یہ بتانے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ زوج سے مراد ہمیشہ ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو اپنی جیسی ایک دوسری چیز کے ساتھ مل کر اسے جوڑ بنا دیتی ہے۔

شوہر کو زوج اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک ہوتا ہے اور اپنی جیسی ایک دوسری چیز یعنی بیوی کے ساتھ مل کر جوڑے کی تکمیل کرتا ہے۔ اسی طرح بیوی کو بھی زوج اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی ایک ہوتی ہے اور اپنی جیسی ایک دوسری چیز یعنی شوہر کے ساتھ مل کر جوڑے کی تکمیل کرتی ہے۔ اسی لئے میاں بیوی کو زوجان کہتے ہیں کہ وہ دونوں الگ الگ ایک ہوتے ہیں اور مل کر جوڑے کی تکمیل کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ہر جگہ شوہر اور بیوی کو زوج ، زوجان اور ان کی جماعت کو ازواج سے تعبیر کیا ہے لہذا ، رشتہ مناکحت کے لئے اس لفظ کا انتخاب خود اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم کی نگاہ میں ایک مرد کے لئے ایک عورت اور ایک عورت کے لئے ایک ہی مرد ہونا چاہئے۔ اگر وحدت ازدواج کے سلسلہ میں قرآن کریم میں کوئی آیت نہ بھی ہوتی تو اس لفظ کا استعمال ہی اس بات کو سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ اسلام وحدت ازدواج کا حامی ہے۔ تعدد ازدواج کا حامی نہیں ہے۔ لیکن قرآن کریم نے صرف اس اشارہ پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس نے مختلف انداز سے اس مسئلہ پر صراحت کے ساتھ بھی روشنی ڈالی ہے۔

۲۔ قانون تخلیق انسانی

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے قرآن کریم نے انسانی تخلیق کے سلسلہ میں اپنا کیا قانون بتایا ہے۔ قرآن کریم میں ہمیں سب سے پہلے اس مسئلہ کی نمود تخلیق آدم کے قصہ میں ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں دو قسم کی آیات ہیں۔ ایک تو اس قسم کی آیات ہیں جن میں آدم کا نام نہیں لیا گیا بلکہ محض اجمالی طور پر انسانی تخلیق کا تذکرہ کیا گیا ہے اور دوسری قسم کی وہ آیات ہیں جن میں صراحت کے ساتھ آدم اور ان کی بیوی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ پہلے اجمالی آیات کو دیکھئے۔ سورۂ نساء میں ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (۴/۱)

اے افراد نسل انسانی! اپنے اس پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑ پیدا کر دیا اور ان دونوں سے بے شمار مرد اور عورتیں پیدا کر کے پھیلا دیں۔

یہاں اس بات کو خصوصیت کے ساتھ نوٹ کرنے کی ضرورت ہے کہ کثیراً کا لفظ صراحت کے

ساتھ رِجَالًا کی صفت بنا کر لایا گیا ہے نِسَاءً کی صفت بنا کر نہیں لایا گیا کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آگے چل کر کچھ لوگ اس قسم کے غلط دعوے کریں گے کہ مردم شماری کے اعتبار سے عورتوں کی تعداد عموماً مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس غلط دعوے کی جڑ کاٹنے کے لئے یہ انداز بیان اختیار فرمایا گیا ہے ورنہ نِسَاءً کَثِیْرَۃً وَّرِجَالًا یا رِجَالًا وَّنِسَاءً کَثِیْرَۃً بھی کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ عورتوں کی کثرت تعداد محض مصنوعی ہوتی ہے حقیقی نہیں ہوتی۔

پھر یہی مضمون سورۂ اعراف میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا ج (۷/۱۸۹)

خدا ہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اُسی جان سے اس نے اس کا جوڑا بنایا تاکہ وہ اس کے ساتھ سکون و اطمینان حاصل کر سکے۔"

پھر سورۂ زمر میں ارشاد فرمایا گیا کہ

خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ ط (۳۹/۶)

تمہیں اس نے ایک جان سے پیدا کیا ہے پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور اس نے تمہارے لئے چوپایوں کے بھی آٹھ جوڑے اتارے ہیں۔

ان تینوں آیات میں جس قانونِ تخلیق کو بیان فرمایا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ نوعِ انسانی کو ایک جان سے پیدا کیا گیا اور اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا گیا۔ ان آیات میں زَوْجَهَا (بصیغۂ مفرد) "اس کا جوڑا" خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ اس نفس واحدہ کا جوڑا جو اسی نفس واحدہ سے پیدا کیا گیا تھا وہ ایک ہی تھا۔ لہٰذا قانونِ فطرت یہی ہے کہ ہر نفس کا ایک جوڑا ہونا چاہئے۔ کئی کئی نہیں۔ یہاں یہ بات ہمارے موضوع سے تعلق نہیں رکھتی کہ نفس واحدہ سے قرآن کریم کی کیا مراد ہے۔ اور اس نفس واحدہ سے اس کا جوڑا کس طرح پیدا کیا گیا تھا۔ یہاں آپ اتنی سی بات ذہن میں رکھئے کہ تخلیق انسانی کا آغاز نفس واحدہ سے ہوا تھا اور اُسی نفس واحدہ سے اس کا جوڑا بنایا گیا تھا اور وہ ایک تھا۔ اس کے بعد ان آیات پر غور فرمایئے جن میں خصوصیت کے ساتھ آدم کا نام لیکر اس کے جوڑے کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَقُلْنَا یٰاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ وَکُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ص وَلَا تَقْرَبَا

اور ہم نے کہا۔ اے آدم تو اور تیری بیوی اس باغ میں رہو اور فراغت کے ساتھ جہاں سے جی چاہے کھاؤ۔ اور

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا
كَانَا فِيْهِ ص (پ۱ ع۴)

اور اس درخت کے قریب نہ جانا۔ کیونکہ اس طرح تم ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں (آدم اور اس کی بیوی) کو ہمارے اس عہد سے ڈگمگا دیا چنانچہ اس نے ان دونوں کو اس عیش و عشرت سے جس میں وہ دونوں تھے نکلوا دیا۔

سورۂ اعراف میں اسی واقعہ کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ
الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ
لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ
عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا
عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا
مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ
النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ج فَلَمَّا ذَاقَا
الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا
يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ط
وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا
الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا
وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝ (۱۹-۲۳)

اور اے آدم! تو اور تیری بیوی اس باغ میں رہو پھر جہاں سے تمہارا جی چاہے کھاؤ پیو۔ اور اس درخت کے قریب نہ جانا کہ اس طرح تم ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ پھر ان دونوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے پوشیدہ اعضاء کو جو ان کی نگاہوں سے اوجھل کر دیئے گئے تھا ان پر ظاہر کر دے۔ شیطان نے ان سے کہا کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں اس درخت سے محض اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا تمہیں زندگیٔ جاوید حاصل نہ ہو جائے اور ان کے سامنے قسمیں کھائیں کہ میں یقیناً تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں چنانچہ شیطان نے فریب سے ان دونوں کو مائل کر لیا۔ پھر جب ان دونوں نے اس درخت کو چکھا تو ان کے پوشیدہ اعضا ان کے لئے نمایاں ہو گئے اور وہ اپنے اوپر باغ کے پتے چپکانے لگے۔ اور ان دونوں کے پروردگار نے انھیں پکار کر کہا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کر دیا تھا اور میں نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے درحقیقت اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کر دیا اور ہم پر رحم نہ

فرمایا تو ہم یقیناً خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

پھر اسی واقعہ کو سورۂ طٰہٰ میں ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے کہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰي شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۡ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ $(\frac{20}{116-121})$

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو۔ چنانچہ ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کر لیا۔ ابلیس نے انکار کر دیا تو ہم نے آدم سے کہہ دیا کہ یہ تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے کہیں یہ تم دونوں کو اس باغ سے نکلوا نہ دے اور تو جگر پاش مشقت میں گرفتار نہ ہو جائے۔ یہاں تجھے یہ نعمتیں حاصل ہیں کہ نہ تو اس میں بھوکا رہ سکتا ہے اور نہ ننگا۔ یہاں تجھے نہ پیاس ستا سکتی ہے نہ دھوپ۔ چنانچہ شیطان نے آدم کے دل میں وسوسہ ڈالا اور کہا: اے آدم! کیا میں تجھے وہ درخت بتاؤں جس سے تجھے زندگی جاوید اور ایسی سلطنت حاصل ہو جائے جو کبھی پرانی نہ ہو۔ چنانچہ آدم اور اس کی بیوی نے اس درخت سے کھا لیا اور ان کے پوشیدہ اعضاء ان پر ظاہر ہو گئے اور وہ دونوں اپنے اوپر باغ کے پتے چپکانے لگے۔ اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی جس کے نتیجہ میں وہ بھٹک گیا۔

اور باتوں سے قطع نظر، قرآن کریم کے ان تینوں بیانات میں ہمیں آدم اور اس کی ایک ہی بیوی نظر آتی ہے۔ حق تعالیٰ کے تمام خطابات (تثنیہ کے صیغوں کے ساتھ) انہی دونوں میاں بیوی کے ساتھ ہوئے ہیں۔ آدم جو نوع انسانی کا پہلا نمائندہ ہے اس کی ایک ہی بیوی تھی۔ حالانکہ یہ وہ موقعہ تھا کہ نسل انسانی کی تخلیق کا آغاز ہو رہا تھا اور قدرت کو مطلوب تھا کہ نسل انسانی پھلے پھولے اور ترقی کر کے زمین پر پھیل جائے اگر وحدتِ ازدواج قانون فطرت نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ قدرت کو کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی تھی کہ آدم کے لئے ایک سے زیادہ بیویاں پیدا کر دی جائیں اور اس طرح نسل انسانی کو جلد از جلد بڑھنے اور پھلنے پھولنے کے مواقع مہیا کر دئے جاتے۔ لیکن اس وقت بھی جبکہ ضرورت تھی قدرت نے ایسا کوئی انتظام نہیں فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ قانونِ فطرت یہی ہے کہ مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہونی چاہئے۔

۴۔ قانون قدرت علاوہ ازیں قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بات بھی نہایت فصاحت سے معلوم ہو جاتی ہے کہ قانونِ قدرت بھی یہی ہے کہ ایک نر کے لئے ایک مادہ ہو۔ قدرت نے انسانوں کو اسی انداز سے پیدا کیا ہے۔ سورۃ النجم میں ہے۔

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰی ۝ (۵۳/۴۵-۴۶)	اور یہ کہ اسی نے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں نر اور مادہ۔ ایک بوند سے جبکہ وہ ٹپکائی جائے۔

سورۃ القیامہ میں ہے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَکَ سُدًی ۝ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی ۝ ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی ۝ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی ۝ (۷۵/۳۶-۳۹)	کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اُسے یونہی شتر بے مہار کی طرح چھوڑ دیا جائیگا۔ کیا اس کی حقیقت منی کی ایک بوند ہی نہیں تھی جو ٹپکائی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ گوشت کا ایک لوتھڑا بنا جس کے بعد خدا نے اسے پیدا کیا اور اسے توازن عطا کیا۔ پھر اس کے جوڑ جوڑ بنائے۔ نر اور مادہ۔

قدرت کا یہ قانون صرف انسانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ قرآن کریم کے بیان کے مطابق کائنات کی ہر چیز پر یہی قانون احاطہ کئے ہوئے ہے۔ سورۃ الذاریات میں ہے کہ

وَمِنْ کُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۝ (۵۱/۴۹)	اور ہم نے تو ہر چیز کے جوڑے ہی جوڑے پیدا کئے ہیں۔ امید ہے کہ تم اس سے نصیحت حاصل کروگے۔

اس بعد سورۃ زخرف میں فرمایا گیا ہے کہ

وَالَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا وَجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْکَبُوْنَ ۝ (۴۳/۱۲)	اور خدا تو وہ ہے جس نے تمام چیزوں کے جوڑے پیدا کئے ہیں اور جس نے تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے ہیں جن پر تم سواری کرتے ہو۔)

یہ قانون قدرت کچھ انسانوں اور حیوانوں تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ نباتات میں بھی یہی قانون تخلیق کارفرما ہے۔ چنانچہ سورۃ یٰسین میں ہے کہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۳۶/۳۶)	پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں سے جو زمین سے اُگتی ہیں سب چیزوں کے جوڑے پیدا کئے ہیں اور خود ان (انسانوں کے بھی جوڑے بنائے ہیں اور ان تمام چیزوں کے

بھی جنہیں وہ جانتے بھی نہیں۔

پھر سورۂ رعد میں بھی اس مضمون کو یوں دہرایا گیا ہے کہ

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ (۱۳/۳)

اور خدا ہی وہ ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں اس نے مضبوط پہاڑ اور نہریں بنادی ہیں اور ہر طرح کے پھلوں سے خدا نے زمین میں جوڑے پیدا کئے ہیں۔ دو۔ دو (نر و مادہ)

اسی قانون قدرت کے مطابق طوفان نوحؑ سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ سے یہ ہدایت فرمائی گئی تھی کہ کشتی میں ہر چیز کا ایک ایک جوڑا رکھ لیں تاکہ ہر چیز کی نسل قائم رہ سکے اور فنا نہ ہو جائے۔ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ ہر چیز سے ایک نر اور مادہ اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیں۔ چنانچہ سورۂ ہود میں ہے کہ

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ○ (۱۱/۴۰)

حتیٰ کہ جب ہمارا حکم آپہنچا اور تنور اُبلنے لگا تو ہم نے نوح کو حکم دیا کہ کشتی میں ہر چیز کا ایک ایک جوڑا یعنی دو دو (نر و مادہ) سوار کر لو اور اپنے گھر والوں کو بھی بجز ان لوگوں کے جن کے متعلق پہلے ہی فیصلہ ہو چکا ہے اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لے آئے تھے اور نوح کے ساتھ ایمان لانے والے بہت تھوڑے سے آدمی تھے۔

اسی واقعہ کو سورۂ المؤمنون میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ

وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ (۲۳/۲۷)

اور ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ پھر جب ہمارا حکم آپہنچے اور تنور ابلنے لگے تو کشتی میں ہر چیز کا ایک جوڑا یعنی دو دو چیزیں (نر و مادہ) سوار کر لینا اور اپنے گھر والوں کو بھی۔

لہٰذا جب قانون قدرت یہی ہے کہ وہ ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کرتا ہے۔ ایک نر اور ایک مادہ۔ نباتات۔ حیوانات اور انسانوں میں سب میں یہی قانون کارفرما ہے اور بقائے نسل کے لئے وہ اسی کو کافی سمجھتا ہے چنانچہ طوفان نوح کے سلسلہ میں اس نے ہر چیز کا ایک ایک جوڑا رکھنا ہی کافی سمجھا تھا تو ایک مرد کے لئے ایک سے زیادہ بیویوں کا ہونا قانون قدرت کے بھی خلاف ہے۔ ان تصریحات پر ایک مرتبہ پھر نظر ڈال لیجئے جو لفظ زَوْج کی تحقیق میں عربی کتب لغت سے شروع میں پیش کی گئی تھیں۔

خصوصیت کے ساتھ اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ زوجین سے مراد دو چیزیں ہوتی ہیں ایک نر اور ایک مادہ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے آیات محولہ بالا پر غور کیجئے نیز اس بات کو بالخصوص نوٹ کیجئے کہ قرآن کریم نے کس طرح لفظ زوجین کے بعد بعض آیات میں لفظ اثنین کا اضافہ فرما کر غلط قسم کی تاویلات کا دروازہ بند فرما دیا ہے۔

یہاں یہ شبہ نہیں ہونا چاہیئے کہ قرآن کریم کی ان تمام آیات میں زوجین سے محض نر اور مادہ کی دونوں اصناف مراد ہیں یعنی خدا نے ہر نوع میں فقط دو صنفیں پیدا کی ہیں نر اور مادہ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جتنے نر اس نے پیدا کئے ہیں اتنی ہی مادہ پیدا کی ہیں۔ اور اس اعتبار سے ہر نر کے حصہ میں ایک ہی مادہ آنی چاہیئے۔ زیادہ نہیں آنی چاہئیں۔ کیونکہ قانون تخلیق انسانی اور قصہ آدم کے بیان میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ نفس واحدہ اور آدم کا جوڑا جو پیدا کیا گیا تھا وہ ایک ہی تھا۔ اس کے لئے قرآن کریم نے جو انداز بیان اختیار فرمایا تھا بعینہ وہی انداز بیان پوری نوع انسانی کے افراد کے لئے بھی اختیار فرمایا گیا ہے اور جو قانون نفس واحدہ کے لئے بیان فرمایا تھا وہی پوری نوع انسانی کے لئے بھی بتایا گیا ہے۔ لہذا دونوں جگہ ایک ہی صورت مراد لینی ہوگی۔ سورۂ نحل میں پوری نوع انسانی کے لئے بیان فرمایا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (۱۶/۷۲)

اور اللہ نے تمہارے لئے خود تمہارے نفسوں سے تمہارے جوڑے بنا دئے ہیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے بنا دئے ہیں اور تمہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا فرمایا ہے۔

بعینہ یہی انداز بیان سورۂ روم میں بھی اختیار فرمایا گیا ہے

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (۳۰/۲۱)

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ بات بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے خود تمہارے ہی نفسوں سے جوڑے پیدا کر دئے ہیں۔ تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور اس نے تمہارے درمیان الفت اور محبت پیدا کر دی ہے۔

اس آیت کریمہ کو سورۂ اعراف کی اس آیت کریمہ کے ساتھ ملا کر دیکھئے خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا اسی طرح سورۂ نساء اور سورۂ زمر کی آیات کے ساتھ ملا کر دیکھئے جو اوپر گذر چکی ہیں۔ تمام آیات کا انداز بیان یکساں ہے۔ وہاں بھی نفس واحدہ سے اس کا جوڑ پیدا

کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور یہاں بھی نوع انسانی کے تمام افراد کے لیے وہ انہی کے نفسوں سے ان کا جوڑ پیدا کرنا بیان کیا گیا ہے۔ وہاں بھی اس تخلیق کا مقصد نفس واحدہ کا حصول سکون بتایا گیا ہے اور یہاں بھی۔ اگر وہاں اس جوڑ سے مراد ایک فرد واحد تھا تو ان آیات میں ایک صنف کیسے مراد ہو سکتی ہے۔

اسی مضمون کو سورۂ شوریٰ میں بھی اسی انداز کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ۭ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝ (۴۲/۱۱)	وہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے تمہارے خود تمہاری ہی جانوں سے جوڑے بنا دئے ہیں اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنا دئے ہیں۔ وہ تمہیں زمین پر پھیلاتا ہے۔ اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ اور وہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

واضح رہے کہ ان تمام آیات میں نوع انسانی کے تمام افراد کو خطاب فرمایا گیا ہے "خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا اور جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا" اس خطاب میں جہاں مرد شریک ہیں وہیں عورتیں بھی شریک ہیں۔ مردوں کی ازواج عورتیں ہیں اور عورتوں کے ازواج مرد ہیں۔ جہاں ایک عورت کا جوڑ ایک مرد ہوتا ہے وہیں ایک مرد کا جوڑ ایک عورت ہی ہو سکتی ہے۔ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتیں۔

سورۂ فاطر میں اس بات کی وضاحت دوسرے انداز سے فرما دی گئی ہے

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ (۳۵/۱۱)	اور اللہ نے تم سب کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفہ سے پیدا کیا ہے اس کے بعد اس نے تم سب کو جوڑ جوڑ بنا دیا ہے۔

سورۂ نبا میں بھی یہی انداز بیان اختیار فرمایا گیا ہے

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ (۷۸/۸)	اور ہم نے تم سب کو جوڑ جوڑ بنایا ہے۔

جہاں مرد مٹی سے پیدا ہوئے ہیں وہیں عورتیں بھی مٹی سے پیدا ہوئی ہیں۔ جہاں مرد نطفہ سے پیدا ہوئے ہیں وہیں عورتیں بھی نطفہ ہی سے پیدا ہوئی ہیں۔ اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ خدا نے سب کو جوڑ جوڑ بنایا ہے۔ تمام افراد نوع انسانی کو جوڑ جوڑ بنانا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ ہر مرد کے لئے ایک عورت اور ہر عورت کے لئے ایک مرد تسلیم کیا جائے ورنہ تمام افراد نوع انسانی کے لئے جس میں مرد بھی شریک ہیں اور عورتیں بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ ہم نے تم سب کو جوڑ جوڑ بنایا ہے۔

قرآن کریم کی اتنی تصریحات اور اتنی وضاحتوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام تعدد ازدواج کا حامی ہے۔ ان ساری تصریحات کو سامنے رکھتے ہوئے بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اسلام کا اپنا رجحان وحدت

ازدواج ہی کی طرف ہے۔

عربی زبان کا مشہور قاعدہ ہے کہ جب ایک صیغۂ جمع کو دوسرے صیغۂ جمع کے بالمقابل لایا جائے تو جمعیں آحاد پر تقسیم ہو جاتی ہیں اور ہر جمع سے ایک ایک فرد ہی مراد ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ رَکِبُوْا اَفْرَاسَهُمْ (وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے) کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ سب (یعنی ان کا ہر ہر فرد) کئی کئی گھوڑوں (اَفْرَاسٌ) پر سوار ہو گئے بلکہ مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا ہر فرد اپنے اپنے (ایک ایک) گھوڑے پر سوار ہو گیا ایسے ہی اَخَذُوْا اَقْلَامَهُمْ وَکَتَبُوْا (انھوں نے اپنے قلم لئے اور لکھنے لگے) میں یہ مراد نہیں ہے کہ ان سب نے (ہر ہر شخص نے) کئی کئی قلم (اَقْلَامٌ) لے لئے اور کئی کئی قلموں سے لکھنا شروع کر دیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ہر شخص نے اپنا اپنا ایک ایک قلم لے لیا اور سب نے لکھنا شروع کر دیا۔ اس اصول کو ذہن میں رکھتے ہوئے اب ان آیات قرآنی پر غور فرمائے جہاں اَزْوَاجٌ کے لفظ کو (جو زَوْجٌ کی جمع ہے) بالکل اسی انداز سے هُمْ کی طرف (جو خود بھی ضمیر جمع ہے) مضاف کر کے لایا گیا ہے۔ اس قسم کی آیات قرآن کریم میں دو چار نہیں ہیں بہت کافی ہیں[1] ہم یہاں صرف ایک دو آیتوں کو بطور نمونہ کے پیش کرتے ہیں چنانچہ سورۂ المؤمنون میں اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ○ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ○ (۲۳/۵-۶)	اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بجز اپنی بیویوں یا ان عورتوں کے جو ان کے قبضہ میں ہوں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔

بعینہٖ یہی الفاظ سورۂ المعارج (آیت نمبر ۲۹ و ۳۰) میں بھی دہرائے گئے ہیں۔ اُسی اصول کے مطابق جس کا حوالہ ادھر دیا جا چکا ہے۔ هُمْ یعنی "اُن" کے ہر فرد کے لئے اَزْوَاجٌ (بیویوں) کا ایک ایک فرد (یعنی ایک بیوی) مراد ہونا چاہیئے نہ کہ ایک سے زیادہ۔ ان آیات اَزْوَاجٌ (جمع کے صیغے) سے یہ مراد نہیں لیا جا سکتا کہ ہر شخص کے لئے کئی کئی بیویاں ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اَزْوَاجٌ کے لفظ کو جو صیغہ جمع ہے هُمْ کے مقابل ساتھ لایا گیا ہے جو خود بھی صیغۂ جمع ہے۔ اس کی مزید وضاحت سورۂ بقرہ کی اس آیت کریمہ سے ہو جاتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ	اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت کی

---

(۱) اس قاعدہ کیلئے دیکھئے شرح وقایہ (ص ۵ ج ۱ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی) میں بحث کعبین اور اس کا حاشیہ از حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی رح

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ط (۲۳۲/۲)

مدت گذر جائے تو تم انھیں اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرلیں، اگر وہ دستور کے مطابق باہمی طور پر اس کے لئے رضامند ہوں۔

اس آیت کریمہ میں بھی اَزْوَاجٌ سے مراد کئی کئی شوہر نہیں ہیں۔ وجہ وہی ہے کہ اَزْوَاجٌ صیغۂ جمع ہے اور اُسے هُنَّ کے بالمقابل لایا گیا ہے جو خود بھی صیغۂ جمع ہے۔ اس لئے هُنَّ (عورتوں) کے ہر فرد کے لئے اَزْوَاجٌ کا ایک ایک فرد (ایک ایک شوہر) ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اتفاق سے اَزْوَاجٌ کا لفظ بجائے بیویوں کے شوہروں کے لئے استعمال ہوا ہے جس سے بات بڑی سہولت کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے۔ کیونکہ اگر سورۂ المؤمنون اور المعارج وغیرہ میں اَزْوَاجِهِمْ سے مراد کئی کئی بیویاں لی جاسکتی ہوتیں تو پھر سورۂ بقرہ کی اس آیت میں اَزْوَاجَهُنَّ سے ایک ایک عورت کے لئے کئی کئی شوہر مراد لینے کے لئے بھی ہمیں تیار رہنا چاہئے۔

(۵) علاوہ ازیں مشرک عورتوں یا مشرک مردوں سے نکاح کی ممانعت کے سلسلہ میں بھی سورۂ بقرہ میں جو انداز بیان اختیار فرمایا گیا ہے، وہ بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے کہ قرآن کریم کا رجحان اسی طرف ہے کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہونی چاہئے۔ ایک سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ج وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ط وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ط (۲۲۱/۲)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور ایک مؤمن کنیز مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تمہیں پسند ہی کیوں نہ آجائے۔ اور (مسلمان عورتوں کا) مشرک مردوں سے نکاح نہ کراؤ۔ اور ایک مؤمن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے۔ خواہ وہ تمہیں کتنا ہی پسند کیوں نہ ہو

اس آیت میں اَمَةٌ اور عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ کو مفرد صیغوں میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ دونوں لفظوں کو نکرہ غیر معینہ کی صورت میں استعمال کرنے سے تعمیم کا فائدہ ضرور حاصل ہوجاتا ہے جو قرآن کریم کا مقصود ہے یعنی ہر ہر مؤمن کنیز اور ہر ہر مؤمن غلام کی برتری ہر مشرک عورت اور مشرک مرد پر ثابت ہوجاتی ہے۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ تعمیم بر سبیل بدلیت ہوتی ہے اَمَةٌ کا لفظ ہر باندی پر اور عَبْدٌ کا لفظ ہر غلام پر صادق آسکتا ہے لیکن ہر ہر فرد پر بر سبیل بدلیت صادق آتا ہے۔ بیک وقت نہیں جیسا اس

کا مصداق ایک خاص باندی یا ایک خاص غلام ہو گا تو اسی وقت اس کا مدلول کوئی دوسری باندی اور کوئی دوسرا غلام نہیں ہو سکتا۔ آپ غور فرمائیے کہ آیت کریمہ میں بات مشرکات اور مشرکین (مشرک عورتوں اور مشرک مردوں) کی ہو رہی ہے کہ ان سے شادیاں کرنے کی اجازت نہیں ہے چنانچہ جمع کے صیغوں میں ہی بات شروع کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ مشرک عورتوں سے شادیاں نہ کرو۔ اور "مشرک مردوں سے مسلمان عورتوں کی شادیاں نہ کراؤ" اس کے بعد اس ممانعت کی وجہ بتائی گئی ہے کہ مومن عورتیں خواہ وہ باندیاں ہی کیوں نہ ہوں مشرک عورتوں سے بہتر ہوتی ہیں۔ اسی طرح مومن مرد خواہ مرد غلام ہی کیوں نہ ہوں مشرک مردوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہاں قرآن کریم کا مقصود کسی ایک مومن باندی یا کسی ایک مومن غلام کی برتری بیان کرنا نہیں ہے بلکہ بتانا یہ ہے کہ تمام مومن باندیاں بحیثیت مجموعی تمام مشرک عورتوں سے اور تمام مومن غلام بحیثیت مجموعی تمام مشرک مردوں سے بہتر ہوتے ہیں۔ اس لئے اصولاً قرآن کریم کو اپنی اگلی بات بھی جمع ہی کے صیغوں میں کرنی چاہئے تھی خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی کہ اگلی بات بھی جماعت مومنات اور جماعت مومنین ہی کے متعلق ہو رہی ہے لہذا جمع کے صیغوں میں بات شروع کر کے یکایک اس انداز کو تبدیل کر کے مفرد کے صیغوں میں بات شروع کر دینا بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کریمہ میں وَلَا مَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَاتٍ اور وَلَعِبَادٌ مُؤْمِنُونَ خَيْرٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ کے بجائے وَلَأَمَةٌ مُؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ اور وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ فرمانا خود اس بات ہی کی طرف اشارہ ہے کہ انداز بیان میں یہ تبدیلی اس بات کو بتانے کے لئے کی گئی ہے کہ عملی طور پر جب کوئی مرد شادی کرتا ہے تو وہ ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے اور اُسے ایک ہی عورت سے شادی کرنی چاہئے۔ جبکہ عملی طور پر جب کسی عورت کی شادی کرائی جاتی ہے تو اس کی شادی ایک ہی مرد سے کرائی جا سکتی ہے اور ایک ہی مرد سے کرائی جانی چاہئے۔ نہ ایک مرد کی شادی کئی کئی عورتوں سے ہو سکتی ہے اور نہ ایک عورت کی شادی کئی کئی مردوں سے۔ اس لئے اگلی بات مفرد صیغوں میں بیان کر دی اور بتا دیا گیا کہ ایک مسلمان کنیز بھی ایک مشرک عورت سے بہتر ہوتی ہے اور ایک مسلمان غلام بھی مشرک مرد سے بہتر ہوتا ہے۔

اسی طرح سورۂ نور میں بھی جہاں زناکار مرد اور زناکار عورت کے نکاح کے سلسلہ میں ہدایات دی گئی ہیں وہاں بھی مفرد کے صیغے ہی استعمال فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ

اَلزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ز	زناکار مرد نکاح نہ کرے مگر زناکار یا مشرک عورت سے
وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ج	(اسی طرح) زناکار عورت سے نکاح نہ کرے مگر زناکار یا

وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (۲۴/۳) مشرک مرد ہی۔ ایمان والوں پر یہ بات (یعنی ان سے نکاح کرنا) حرام کر دیا گیا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی زناکار مرد کے لئے نکاح کرنے کے لئے ایک زناکار عورت یا ایک مشرک عورت ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ حالانکہ اگر قرآن تعدد ازدواج کا حامی ہوتا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً کے الفاظ بصیغۂ مفرد استعمال کرتا۔ اسے یہاں کہنا چاہئے تھا کہ زناکار مرد زناکار عورتوں ہی سے شادی کر سکتا ہے۔ چنانچہ جو حضرات تعدد ازدواج کی حمایت میں لمبی چوڑی تقریریں فرماتے ہیں ان میں سے بھی کوئی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ زناکار مرد صرف ایک ہی عورت سے شادی کر سکتا ہے۔ وہ سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ تعدد ازدواج جائز ہے اور ہر فرد خواہ وہ زانی ہی کیوں نہ ہو تعدد ازدواج کا حق رکھتا ہے۔ ان حضرات کو غور فرمانا چاہئے کہ قرآن کریم نے یہاں اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَاتٍ اَوْ مُشْرِكَاتٍ کیوں نہیں فرمایا جبکہ وہ تمام حضرات ان کے لئے بھی تعدد کے جواز کے قائل ہیں۔ صاف نظر آتا ہے کہ قرآن کریم چونکہ وحدت ازدواج کا حامی ہے اس لئے وہ ایسے موقعوں پر بھی جہاں جمع کے صیغے بھی استعمال ہو سکتے تھے وہ بالارادہ مفرد کے صیغے استعمال کرتا ہے۔

(۶) سورۂ نور ہی میں بتایا گیا ہے کہ خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لئے ہیں اور جیسا کہ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں۔ آیت کریمہ کے الفاظ یہ ہیں۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ج وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (۲۴/۲۶)

یہاں بھی جمع کے صیغے کو جمع کے لئے ثابت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اضافت جمع بسوئے جمع کے سلسلہ میں ہم پہلے بتا چکے ہیں، ایسی صورتوں میں جمع کے ہر فرد کے لئے دوسری جمع کا ایک ایک فرد مراد ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اسی اصول کے ماتحت ہر خبیث عورت کے لئے ایک ایک خبیث مرد اور ہر خبیث مرد کے لئے ایک ایک خبیث عورت مراد ہے جیسا کہ ہر پاکیزہ مرد کے لئے ایک ایک پاکیزہ عورت اور ہر پاکیزہ عورت کے لئے ایک ایک پاکیزہ مرد ہو سکتا ہے۔ یہاں اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک پاکیزہ مرد کے لئے چار چار پاکیزہ عورتیں ہو سکتی ہیں یا ایک خبیث مرد کے لئے چار چار خبیث عورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ جمع کے صیغہ کی وجہ سے اگر کسی کو خلاف اصول اور خلاف قاعدہ اس قسم کا شبہ ہو جائے تو اس کا جواب بھی اسی آیت کریمہ میں دیدیا گیا ہے۔ کیونکہ پھر وہی جمع کا صیغہ مردوں کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا ان حضرات کو پھر یہ بھی تسلیم کرنا چاہئے کہ ہر پاکیزہ عورت کے لئے کئی کئی پاکیزہ مرد اور ہر خبیث عورت کے لئے کئی کئی

خبیث مرد بھی ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بات بدیہی طور پر غلط ہے۔ لہٰذا ماننا پڑیگا کہ جیسا کہ ہر پاکیزہ عورت کے لئے یہاں ایک ہی پاکیزہ مرد مراد ہے اور ہر خبیث عورت کے لئے ایک ہی خبیث مرد مراد ہے اسی طرح ہر پاکیزہ مرد کے لئے ایک ہی پاکیزہ عورت اور ہر خبیث مرد کے لئے ایک ہی خبیث عورت مراد ہو سکتی ہے۔

(۷) علاوہ ازیں وراثت کے احکام کے سلسلہ میں کلالہ کے متعلق جو احکام بیان فرمائے گئے ہیں ان پر بھی ایک نگاہ ڈال لینے کی ضرورت ہے۔ واضح رہے کہ کلالہ اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جس کے نہ کوئی اولاد ہو اور نہ اس کے والدین زندہ ہوں یعنی جس کے نہ اصول ہوں نہ فروع ہوں۔ اس کا ترکہ کس انداز سے تقسیم کیا جائے گا اس کے متعلق سورۂ نساء میں بیان فرمایا گیا ہے کہ

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَارٍّ ج وَصِيَّةً مِنَ اللَّهِ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝ (۴/۱۲)

اور اگر کوئی مرد ایسا ہو جس کی میراث لاولد ہو یا کوئی بھائی یا بہن موجود ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے میراث کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب سب ایک تہائی میراث میں شریک ہوں گے یہ تقسیم وصیت کو پورا کرنے کے بعد عمل میں آئیگی جس کی وصیت کی گئی ہو یا قرض کی ادائیگی کے بعد عمل میں آئیگی (اگر اس کے ذمہ کسی کا قرضہ ہو) کسی کو کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچایا جا سکتا یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ بڑا جاننے والا اور بڑا بردبار

یہی حکم سورۂ نساء کے آخر میں دوبارہ ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

يَسْتَفْتُونَكَ ط قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ط إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ج وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ط فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ط وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۝ (۴/۱۷۶)

(اے پیغمبر اسلام!) لوگ آپ سے شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ خدا انہیں لاولد لوگوں کے بارہ میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی مرد مر جائے جس کے اولاد نہیں تھی اور اس کی ایک بہن موجود ہو تو اسے ترکہ میں سے آدھا ملے گا۔ اسی طرح بھائی بھی بہن کا وارث ہوگا اگر بہن کے کوئی اولاد نہ ہو۔ اگر بہنیں دو ہوں تو ان دونوں کو دو تہائی ترکہ ملیگا۔ اگر بھائی بہن کئی ہوں۔ مرد بھی اور عورتیں بھی تو مردوں کو عورتوں کے

مقابلے میں دو حصے ملیں گے۔

ان دونوں آیتوں میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ لاولد مرد اور عورت کے سلسلہ میں قرآن حکیم نے کس طرح تفصیل سے بتا دیا ہے کہ اگر محض اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اُسے کس قدر ترکہ ملے گا اور اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو پھر ان کو کس قدر ترکہ ملے گا اور کس نسبت سے ملے گا۔

اس سے اولاد کے سلسلہ میں اس تفصیل کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ ۝ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ج فَاِنْ کُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَھُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَکَ ج وَاِنْ کَانَتْ وَاحِدَۃً فَلَھَا النِّصْفُ ط (۴/۱۱)	خدا تمہیں تمہاری اولاد کے سلسلہ میں حکم دیتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر ترکہ ملے گا۔ پھر اگر نری لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اور وہ دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو ترکہ کا دو تہائی ملیگا۔ اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو اسے ترکہ کا آدھا ملے گا۔

اس آیت کریمہ میں بھی اولاد کے سلسلہ میں پوری وضاحت کردی گئی ہے کہ اگر لڑکے اور لڑکیاں مشترک ہوں تو لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر ترکہ ملے گا اور اگر لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں اور وہ دو سے زیادہ ہوں تو سب لڑکیاں دو تہائی ترکہ میں شریک ہوں گی اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو اُسے ترکہ کا نصف حصہ مل جائے گا۔

ان تمام آیات میں آپ نے دیکھ لیا ہے کہ قرآن کریم کا انداز بیان یہ رہا ہے کہ جن ورثا میں تعدد کا امکان ہوسکتا تھا ان کا حصہ بتاتے ہوئے وہ تصریح کر دیتا ہے کہ اگر وہ ایک ہی ہو تو اسے اتنا ترکہ ملے گا اور اگر وہ کئی ہوں تو ان کا ترکہ اتنا ہوگا اور وہ سب اس حصہ میں شریک ہوجائیں گے۔ اس کے بعد دیکھئے کہ بیوی کے سلسلہ میں قرآن حکیم نے کس انداز سے حکم دیا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے کہ

وَلَھُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَکْتُمْ اِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّکُمْ وَلَدٌ ج فَاِنْ کَانَ لَکُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَکْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِیَّۃٍ تُوْصُوْنَ بِھَآ اَوْ دَیْنٍ ط (۴/۱۲)	اور بیویوں کو چوتھائی ترکہ ملیگا اگر تمہارے کوئی اولاد نہ ہو لیکن اگر تمہارے اولاد ہو تو ان کو آٹھواں حصہ ترکہ کا ملے گا اس وصیت کو پورا کردینے کے بعد جو تم کر گئے ہو یا اس قرض کو ادا کرنے کے بعد جو تم چھوڑ گئے ہو۔

اس آیت کریمہ میں بیوی کے لئے اگر اس کے کوئی اولاد نہ ہو تو چوتھائی حصہ مقرر فرمایا گیا ہے اور اگر اس کے اولاد بھی ہو تو آٹھواں حصہ بتایا گیا ہے۔ لیکن یہ بالکل نہیں بتایا گیا کہ اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب کی سب اسی چوتھائی یا آٹھویں حصہ میں شریک ہوجائیں گی۔ حالانکہ ان تمام ورثاء کے متعلق جن میں تعدد کا امکان ہوسکتا تھا، ہر جگہ اس قسم کی تصریحات کردی گئی ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بیوی کے ضمن میں عام حالات میں تعدد کا کوئی امکان

قرآن حکیم کی نظر میں موجود نہیں تھا۔ اگر یہ امکان موجود ہوتا تو وہ اس قسم کی تصریح کر دیتا یہاں بھی ضروری سمجھتا۔

(۸) شوہر اور بیوی کی ناموافقت کے سلسلہ میں قرآن حکیم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں ان میں عام طور پر تثنیہ کے صیغے ہی استعمال کئے گئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کی نظر میں میاں اور بیوی عموماً دو فرد ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے انہیں تثنیہ کے صیغے ہی سے تعبیر کیا جانا چاہئے۔ حالانکہ اگر اسلام تعدد ازدواج کا حامی ہوتا اور وہ عام حالات میں بھی کئی کئی بیویاں ہونے کو ترجیح دیتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے) تو اس صورت میں تثنیہ کے بجائے قرآن حکیم کو جمع کے صیغوں میں احکام دینے چاہئیں تھے۔ مگر قرآن حکیم نے ایسا نہیں کیا۔ سورۂ النساء میں ہے

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ○ (۴/۳۵)

اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان ناموافقت کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم شوہر کے خاندان سے اور ایک حَکَم بیوی کے خاندان سے مقرر کر دو۔ اگر دونوں میاں بیوی اصلاح کے خواہاں ہونگے تو خدا ان کے درمیان موافقت کی صورت پیدا کر دیگا۔ یقیناً خدا بڑا جاننے والا اور بڑا خبردار ہے۔

اس کے بعد اسی سورت میں آگے چل کر فرمایا گیا ہے۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ (۴/۱۲۸)

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے سختی یا بے اعتنائی کا اندیشہ ہو تو ان پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ دونوں آپس میں صلح و صفائی کرلیں اور صلح کر لینا ہی اچھا ہے۔

ان دونوں آیات میں آپ نے دیکھا کہ میاں بیوی کے لئے تثنیہ کے صیغے استعمال فرمائے گئے ہیں کیونکہ قرآن حکیم کی نظر میں میاں اور بیوی عموماً دو فرد ہی ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ عام حالات میں تعدد ازدواج کا حامی نہیں ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ تعدد ازدواج کا حامی ہوتا اور اس کی نگاہ میں شوہر اور اس کی کئی کئی بیویاں ہوا کرتیں تو جھگڑے کا امکان چونکہ ہر بیوی کے متعلق ہو سکتا تھا اس لئے وہ ان آیات میں تثنیہ کے بجائے جمع کے صیغے استعمال فرماتا۔ قرآن حکیم کے اس انداز رہنمائی سے بھی یہی بات مترشح ہوتی ہے کہ وہ عام حالات میں تعدد ازدواج کا حامی نہیں ہے۔ عام حالات میں ایک مرد کے ایک ہی بیوی ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح میاں اور بیوی دو فرد ہی ہوتے ہیں جن کے لئے تثنیہ کا صیغہ ہی استعمال ہونا چاہئے نہ کہ جمع کا صیغہ۔

(۹) اس کے علاوہ آپ غور فرمائیے کہ آدمی ایک سے زیادہ شادیاں کیوں کرتا ہے۔ عموماً اس کی کوئی وجہ

یا ضرورت ہوتی ہے. مثلاً پہلی کا پسند نہ آنا پہلی بیوی سے مزاج کی موافقت نہ ہونا پہلی بیوی سے اولاد نہ ہونا یا پہلی بیوی کا دائم المریض ہونا وغیرہ وغیرہ. بلا وجہ اور بلا ضرورت تو کوئی شخص اس دوہری ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا جبکہ عموماً تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ ایک سے زیادہ شادیاں کرکے آدمی کی اپنی زندگی خود اجیرن ہو جاتی ہے. اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ ایسی ضرورتوں میں قرآن کریم نے ہمیں کیا رہنمائی عطا فرمائی ہے. کیا وہ ایسی صورتوں میں تعدد ازدواج کا نسخہ تجویز کرتا ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور نسخہ تجویز کرتا ہے. سورۂ نساء ہی میں ہمیں ایک آیت کریمہ ملتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ

وَإِنْ أَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ	اور اگر تم ایک بیوی کے بجائے دوسری بیوی کرنا چاہو اور
زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا	تم ان میں سے ایک کو دولت کا ڈھیر دے چکے ہو تو (اس
تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا	کو الگ کرتے ہوئے) اس ڈھیر میں سے کچھ بھی واپس نہ لو.
وَإِثْمًا مُّبِينًا ٥ (۴/۲۰)	کیا تم ناحق اور صریح گناہ کا ارتکاب کرکے اسے واپس لینا چاہتے ہو؟

اس سے ظاہر ہے کہ ایسی تمام ضرورتوں میں قرآن حکیم کی نگاہ میں اس کا علاج یہ ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دیکر الگ کر دیا جائے اور کسی دوسری عورت سے شادی کر لی جائے. اسے ایک بیوی کے بجائے دوسری بیوی کر لینا یا ایک بیوی کو دوسری سے بدل لینا فرمایا گیا ہے. اگر قرآن حکیم کی نظر میں عام حالات میں بھی تعدد ازدواج کی اجازت ہوتی تو ایسی تمام صورتوں میں نہایت سہل اور آسان علاج یہی تھا کہ کہا جاتا کہ اگر تمہیں کوئی واقعی مجبوری یا ضرورت لاحق ہے تو گھبرانے اور پریشان ہونے کی کیا بات ہے. تم کسی اور عورت سے بھی شادی کر سکتے ہو. اگر تمہیں اپنی بیوی پسند نہیں آئی یا اس سے مزاج کی موافقت نہیں ہوتی. یا اس سے اولاد نہیں ہوتی یا وہ دائم المریض اور مخبوط الحواس ہے یا اس میں کوئی اور عیب ہے تو شریعت نے تمہیں چار تک بیویاں کر لینے کی اجازت دی ہے. تم پر کوئی تنگی تو ہے نہیں. تم شوق سے ایک اور شادی کر سکتے ہو. اگر دوسری سے بھی کام نہ چلے تو تیسری کر سکتے ہو اور تیسری سے بھی کام نہ چلے تو چوتھی کر سکتے ہو. لیکن قرآن حکیم نے یہ علاج تجویز نہیں فرمایا بلکہ پہلی بیوی کو چھوڑ کر دوسری شادی کرنے کی صورت تجویز فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ ہدایت بھی دیدی ہے کہ پہلی بیوی کو چھوڑنے لگو تو جو کچھ تم اسے اب تک دے چکے ہو وہ اس سے واپس نہ لو. خواہ تم نے اسے دولت کے ڈھیر ہی کیوں نہ بخش دئے ہوں. ایک تو تم اسے یہ صدمہ پہنچا رہے ہو کہ اسے الگ کر رہے ہو اور اس کے ساتھ ہی یہ صریح زیادتی بھی کرنا چاہتے ہو کہ اسے جو کچھ تم نے اب تک دیا تھا وہ بھی اس سے واپس لے لینا چاہتے ہو. یہ صریح ناانصافی اور کھلا گناہ ہے. اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی

گویا اس طرح قرآن کریم نے ایک علاج تو تجویز کیا مگر اس پر اتنی کڑی شرط عائد کر دی کہ عام حالات میں لوگ اس پر عمل نہ کر سکیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی نگاہ میں یہ علاج بھی انتہائی مجبوری کی صورت میں قابل عمل ہے۔ عام حالات میں قابل عمل نہیں ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہ یہ علاج قرآن حکیم کی نگاہ میں کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ وحدت ازدواج ہی کا حامی ہے کیونکہ جو مذہب تعدد ازدواج کا حامی ہوگا اسے اس ناگوار صورت کو تجویز کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت ہی لاحق نہیں ہوسکتی کہ پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی کر لو جبکہ اس مذہب کو اس کا احساس بھی ہو کہ یہ صورت کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں ہے۔ یہ علاج وہی مذہب تجویز کرے گا جس کے نزدیک تعدد ازدواج کوئی مستحسن صورت نہیں ہوتی لیکن شوہر کی بعض معقول مجبوریوں کے پیش نظر وہ اس کی مشکلات کو بھی حل کرنا چاہتا ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ اتنی کھلی صراحت کے بعد بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ اسلام عام حالات میں بھی تعدد ازدواج کا حامی ہے۔

(۱۰) اس کے بعد سورۂ نساء کی اس آیت کریمہ پر بھی غور کرنا ضروری ہے جس سے تعدد ازدواج کا جواز ثابت کیا جاتا ہے اور جسے اس دعوے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ اسلام تعدد ازدواج کا حامی ہے۔ یہ سورۂ نساء کی تیسری آیت ہے۔ مگر ہم یہاں تینوں آیتیں پیش کر دیتے ہیں تاکہ سباق و سیاق سے یہ سمجھنے میں آسانی ہوسکے کہ قرآن حکیم نے یہاں کس مسئلہ کا حل پیش فرمایا ہے سورۂ نساء میں ہے کہ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ

اے افرادِ نسلِ انسانی! اپنے اس پروردگار کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بھی پیدا کر دیا۔ اور پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ اور اس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کا نام لیکر تم آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رشتہ داریوں کا بھی خیال رکھو۔ یقیناً خدا تمہارا نگراں ہے۔ اور یتیموں کو ان کے اموال حوالہ کر دو اور پاکیزہ چیزوں کے بدلے گندی چیزیں نہ بدل لو۔ اور ان کے اموال کو اپنے مال کے ساتھ خلط ملط کر کے نہ کھا جاؤ۔ یقیناً یہ بات بڑی ہی ناپسندیدہ ہے۔ اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتامیٰ کے بارہ

ذٰلِکَ اَدْنٰیٓ اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ (۴-۳)

میں انصاف کا سلوک نہیں کرسکو گے تو ان میں سے جو عورتیں تمہارے لئے پاکیزہ (حلال) یا پسندیدہ ہوں ان سے نکاح کرلو۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار۔ پھر اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم ان کے درمیان عدل نہیں کرسکو گے تو ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو یا اس عورت پر اکتفا کرو جو تمہارے قبضہ میں ہو۔ یہ بات اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرسکو۔

جیسا کہ آپ نے ان آیات میں سب سے پہلے تو اُسی قانون تخلیق انسانی کو بیان فرمایا گیا ہے جس پر ہم اس سے پیشتر گفتگو کرچکے ہیں یعنی یہ کہ نوع انسانی کی تخلیق ایک نفس واحدہ سے عمل میں آئی ہے اور اُسی نفس واحدہ سے اس کا جوڑ پیدا کرکے نسل انسانی کو چلایا گیا اور اس سے بیشمار مرد اور عورتیں پھیلا دی گئیں۔ یہ نفس واحدہ ایک تھا اور اس کا جوڑا بھی ایک تھا۔ یہ دونوں پہلے میاں بیوی تھے جنہوں نے اس سرزمین پر ازدواج کے سب سے پہلے رشتہ کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ وہ دور تھا جبکہ قدرت کو منظور تھا کہ نسل انسانی پھلے پھولے اور جلد سے جلد زمین کو آباد کردے۔ اس وقت بھی قدرت نے اس نفس واحدہ کے لئے کئی کئی جوڑے نہیں بنائے جس کے معنی یہ ہیں کہ تقاضائے فطرت یہی ہے کہ ایک مرد کے لئے ایک ہی بیوی ہونی چاہئے۔ بہرحال قدرت خداوندی کے اس کرشمہ کا بیان کرتے ہوئے نوع انسانی کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ اُسے اپنے پروردگار کا تقویٰ اختیار کرنا چاہئے۔ تقویٰ کے معنی ہیں قانون خداوندی کی پوری پوری پیروی کرنا اور خلاف ورزیوں سے بچنا۔ قوانین خداوندی میں وہ قوانین فطرت بھی داخل ہیں جن کے مطابق نوع انسانی کی پیدائش نشوونما اور پھیلاؤ عمل میں آیا ہے۔ ان کی پیروی بھی ضروری ہے۔ انہی قوانین فطرت میں سے ایک قانون وحدت ازدواج بھی ہے۔

مساوات و وحدت انسانی کا یہ سبق دیدینے کے بعد کہ پوری نوع انسانی ایک ہی جوڑے سے پیدا ہوئی ہے رنگ و نسل کے امتیازات اور جغرافیائی و لسانی حدبندیوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ پوری نسل انسانی ایک ہی برادری اور ایک ہی کنبہ ہے۔ رشتہ داریوں کا پاس کرنے اور تمام رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ان رشتہ داروں میں خصوصیت کے ساتھ ان یتامیٰ کی طرف اگلی آیت میں متوجہ فرمایا گیا ہے۔ جن کے والدین اس دنیا میں باقی نہیں رہے اور ان کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوجانے کے بعد ان کی اولادیں ہماری نگرانی میں آگئی ہیں اور ان کی غور و پرداخت اور

پرورش وغیرہ ہماری ذمہ داری قرار پاگئی ہے چونکہ وہ بھی ہمارے رشتہ دار ہیں اور ہماری خیرخواہی اور مصلحت بینی کے اوروں سے زیادہ مستحق ہیں۔ ان میں کوئی ہمارا بھتیجا یا بھانجا ہے تو کوئی بھتیجی، بھانجی چھوٹا بھائی بہن یا اور کوئی عزیز ہے۔ ان رشتوں کا تقاضا ہے کہ ہم ان کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کریں۔ لہٰذا اگر ان کے کچھ اموال ہماری حفاظت میں ہوں تو ہمیں دیانتداری کے ساتھ ان کے اموال ان کے حوالے کردینے چاہئیں ہمیں ان کے اموال میں کسی قسم کی خیانت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے۔ ان پر قبضہ جمانا نہیں چاہیئے۔ ان کے اموال ہمارے لئے حلال اور جائز نہیں ہیں۔ ان کے اموال کو اپنے مال ودولت کے ساتھ خلط ملط کرکے خرد برد کرنے کی جسارت نہیں کرنی چاہیئے۔ ایسا کرنا بڑی ہی گناہ کی بات ہے اور حق تعالیٰ کی شدید ناراضگی کا موجب ہے۔ خدا نے ہمارے لئے حلال روزی کمانے کے بے شمار دروازے کھول رکھے ہیں۔ ہمیں ان طریقوں کو چھوڑ کر ناجائز، گندے اور خبیث طریقے اختیار نہیں کرنے چاہئیں۔

یتامیٰ کے سلسلہ میں ہدایات دینے کے بعد فرمایا گیا ہے کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتامیٰ کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک نہیں کرسکو گے۔ کیونکہ کوئی انسان، انسانی کمزوریوں سے بری ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ ہر معاشرہ میں ایسے افراد گنتی ہی کے ہوتے ہیں جو ہر بات کو انسانی اور اخلاقی فریضہ کی حیثیت سے ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ یا ایسی صورت پیش آجائے کہ تم باوجود خواہش کے بھی ان کے ساتھ عدل وانصاف کا سلوک نہ کرسکو کیونکہ معاشرہ میں بیوہ اور یتیم عورتوں کی تعداد بڑھ گئی ہو اور مردوں کی تعداد کم رہ گئی ہو اور اس طرح تم ایسی عورتوں کے لئے مناسب شوہروں کا انتظام نہ کرسکو۔ کیونکہ عدل وقسط کا تقاضا اتنا ہی نہیں ہے کہ تم ان کے لئے کھانے کپڑے اور رہائش کا بندوبست کردو۔ اور ان کی جنسی ضرورتوں سے چشم پوشی اختیار کرلو۔ جنسی ضرورت بھی ایک تقاضائے فطرت ہے جس کا جائز انتظام ضروری ہے ورنہ معاشرہ میں اخلاقی زوال شروع ہوجائے گا۔ یہ اندیشہ اس لئے اور بھی قابل توجہ ہے کہ شرعی احکام کی رو سے ان بیوہ اور یتیم عورتوں کو اپنے معاشرہ ہی میں کھپانا ضروری ہے۔ کیونکہ ان عورتوں کی شادیاں نہ کفار ومشرکین سے کی جاسکتی ہیں نہ اہل کتاب کے مردوں سے جبکہ مردوں کو اس کی اجازت بھی دی جاچکی ہے کہ وہ اہل کتاب کی عورتوں سے شادیاں کرسکتے ہیں۔ لہٰذا ایسی صورتوں میں تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ ان عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہوں اور تمہارے لئے حلال ہوں تم ان سے نکاح کرلو۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار کی تعداد میں یہ نکاح کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس تعداد ازدواج کے بعد تم سب بیویوں کے ساتھ برابری، مساوات اور عدل کا برتاؤ کرسکو۔ لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ

تم ان کے ساتھ برابری کا سلوک نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر یا اس عورت پر جو اسیران جنگ میں سے تمہارے قبضہ میں ہو اکتفا کرو۔ کیونکہ اس صورت میں اس کا زیادہ امکان ہے کہ تم ظلم اور ناانصافی کے ارتکاب سے محفوظ رہ سکو۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ سلسلۂ کلام یتامیٰ سے متعلق چلا آرہا ہے اور خود آیت نمبر ۳ میں بھی جس سے تعدد ازدواج کی اجازت دی گئی ہے بات اس شرط کے ساتھ شروع کی گئی ہے کہ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی (اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم یتامیٰ کے ساتھ عدل وقسط کا سلوک نہیں کر سکو گے تو) لہٰذا یہ تعدد ازدواج کی اجازت بھی اس اندیشہ کے ساتھ مشروط ہے کہ تم ان سے اس کے بغیر عدل وقسط کا سلوک نہ کر سکو۔ خواہ اس کی کوئی وجہ بھی ہو۔ چاہے یہ تمہاری اپنی انسانی کمزوری کی وجہ سے ہو یا ایسی عورتوں کی تعداد بڑھ جانے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے تو اس صورت میں تمہیں اس کی اجازت ہے کہ تم انہیں اپنی بیویاں بنا کر اپنے خاندانوں کا جزو بنالو کہ اس صورت میں یہ محض اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہی نہیں رہے گا بلکہ ایک خانگی اور خاندانی ضرورت بھی بن جائے گا۔ اور اگر جنگ وغیرہ کی وجہ سے معاشرہ میں ایسی عورتوں کی تعداد بڑھ گئی ہو تو اس کا حل بھی نکل آئے گا۔ اس طرح یہ یتیم اور بیوہ عورتیں خود اپنے معاشرہ ہی میں کھپ سکیں گی۔

لیکن بڑی ہی عجیب بات ہے کہ جب ہم اس آیت تک پہنچتے ہیں تو اس جملۂ شرطیہ کی شرط کو ہم کچھ اس طرح نظرانداز کر جاتے ہیں جیسے وہ وہاں تھی ہی نہیں اور اگر تھی بھی تو نہ اس کا کوئی مقصد تھا اور نہ کوئی غرض حالانکہ ہم میں سے ہر شخص اتنی موٹی سی بات تو جانتا ہی ہے کہ جملۂ شرطیہ میں جزا کا وجود، خود شرط کے وجود پر منحصر ہوتا ہے۔ اگر شرط نہ پائی جائے تو جزا بھی نہیں پائی جاتی۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ ایک عام مسئلہ ہے۔ لیکن جہاں ہم شرط کے الفاظ سے یوں آنکھیں بند کر کے گذر جاتے ہیں جیسے ان الفاظ کے کوئی معنی ہی نہیں ہیں اور وہ بالکل ہی مہمل الفاظ ہیں۔

ہم آئندہ اشاعت میں یہ سمجھانے کی کوشش کریں گے کہ عربی زبان میں یتامیٰ کے لفظ کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ اور اس کے مفہوم میں کس طرح وہ یتیم وناکتخدا لڑکیاں بھی جو شادی کے قابل ہو چکی ہوں اور بیوہ عورتیں بھی جن کے شوہر مر چکے ہوں داخل ہیں۔ اس کے لئے ہمیں عربی کے مستند لغات، آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے یتامیٰ کے معنی متعین کرنا ہوں گے۔ وماتوفیقی الا باللہ العظیم